قرآن کا فلسفۂ اَخلاق: اہمیت اور تفہیم

شاہ اجمل فاروق ندوی ☆

معاشرتی علوم میں اَخلاقیات کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اردو زبان میں فلسفۂ اَخلاق کی تفہیم کے لیے علمی کوششیں بہت کم ہوئیں۔ شاید اس کی ایک وجہ اَخلاق کا وہ محدود تصور ہے جو ہم نے برِصغیر میں رائج اردو زبان سے سمجھا ہے۔ مغرب کی اندھی غلامی بھی اس کا ایک اہم سبب ہوسکتی ہے' جس میں اخلاق کو چند عادات و اَطوار تک محدود کردیا گیا ہے' حالاں کہ اخلاق ایک وسیع الجہات لفظ ہے۔ اس کا تعلق روح سے بھی ہے اور جسم سے بھی' ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی' انسان کے داخلی معاملات سے بھی ہے اور سیاسی و سماجی امور سے بھی۔ اس لحاظ سے اس کی علمی تشریح بہت ضروری ہے' خاص طور پر عہد حاضر میں' جب کہ اسلام اور مسلمانوں کو بدتہذیبی' دہشت گردی' حیوانیت اور بدسلیقگی سے جوڑ کر پیش کیا جارہا ہے۔ یہ کام میڈیا کی سطح پر بھی ہورہا ہے اور نصابِ تعلیم کی سطح پر بھی۔ یعنی نئی نسل کو بھی یہ غیر حقیقی باتیں سمجھائی جارہی ہیں اور بڑوں کے ذہنوں میں بھی بٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس لیے عہدِ حاضر میں فلسفۂ اَخلاق پر بھرپور اور متنوّع علمی کام کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھا جائے۔ تاریخ انسانی کے بڑے مصلحین' حکماء و فلاسفہ کے فلسفۂ اَخلاق کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے بعد اسلام کے فلسفۂ اخلاق کا جائزہ لے کر اس کی افضلیت' ابدیت اور فطرتِ انسانی سے قریب تر ہونے کو ثابت کیا جائے۔ یہاں اس تفصیل کا تو موقع نہیں' البتہ اسلام کے فلسفۂ اَخلاق اور اس کی تفہیم کے طریقۂ کار کے سلسلے میں چند بنیادی باتیں پیش کی جارہی ہیں۔

ماخذ

فلسفۂ اخلاق پر گفتگو کرتے ہوئے سب سے پہلی بحث ماخذ و مصدر کی آتی ہے۔ یعنی اخلاقیات کا ماخذ کیا ہے؟ اُصولِ اَخلاق کہاں سے آئے ہیں؟ کس نے وضع کیے ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ کوئی بادشاہِ وقت کو ان اُصولوں کے بنانے کا حق دیتا ہے تو کوئی مذہبی رہنماؤں' پادریوں' حاخاموں یا پنڈتوں کو۔ ان لوگوں کو یہ حق اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا حکم خدائی حکم ہی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی نام تو خدا کا' لیکن حکم بندوں کا۔ اس کے برعکس موجودہ دور میں علمی طور پر خواہ کچھ بھی لکھا جارہا ہو' عملی طور پر پوری دنیا میں مغربی معاشرے کو اصولِ اَخلاق کا خالق سمجھا جارہا ہے۔

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ عربی' مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی' حیدرآباد' انڈیا afnadwi@gmail.com

ان تمام نظریات کے مقابلے میں قرآن کریم کا فلسفۂ اخلاق ہے' جو بتاتا ہے کہ اخلاق کوئی عارضی یا وقتی چیز نہیں ہے' جس کو کوئی عارضی مخلوق وضع کرے۔ یہ ایک ابدی وصف ہے' جو انسان میں ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہنا چاہیے۔ جب یہ ایک ابدی وصف قرار پایا تو یہ بھی طے ہو گیا کہ اس کا وضع کرنے والا بھی وہ ہو' جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہنے والا ہو' جو انسان کے مزاج اور فطرت سے اچھی طرح واقف ہو۔ یعنی اسلام کی نظر میں اصولِ اخلاق کا واحد ماخذ و مصدر اَحکامِ الٰہی ہیں۔ یہ صرف ربّ العالمین کا حق ہے کہ وہ انسان کے لیے اخلاقیات کے اصول بنائے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ اُسی کی ذاتِ عالیہ کو زیب دیتا ہے کہ وہ انسانوں کو سکھائے کہ انسانوں کا آپس میں کیا رویہ ہونا چاہیے۔ چناں چہ سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے:

''بہر حال دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں' جو اخلاق کا ماخذ خدا کے حکم کے سوا کسی اور شے کو تسلیم کرتا ہو۔ لیکن اسلام اس کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ خدا نے اپنے ان احکام کو وحی کے الفاظ میں بیان بھی کیا ہے اور اپنے بندوں کی فطرت میں ودیعت بھی کر رکھا ہے' تاکہ فطرت اگر کسی سبب سے خاموش رہے تو احکامِ الٰہی کی آواز اس کو پکار کر ہشیار کر دے۔ فلسفیانہ کاوشوں اور موشگافیوں کو چھوڑ کر عملی حیثیت سے غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظریے باہم کسی قدر مخالف ہونے کے باوجود باہم اس قدر متضاد نہیں کہ وہ ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں۔ ہو سکتا ہے ہمارے اخلاق کا ماخذ خدا کا حکم ہونے کے ساتھ اس کے تائیدی ماخذ اور محرکات' ضمیر' فطرت' وجدان اور عقل سب ہوں۔ اسی طرح معیارِ اَخلاق کے اختلافات میں بھی توافق ممکن ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان بغیر کسی ذاتی غرض و غایت کو خیال میں لائے ہوئے محض اپنی فطرت کے اصرار یا ضمیر کی پکار سے مجبور ہو کر ایک کام کو انجام دے یا اپنا فرض سمجھ کر اس کو پورا کرے' یا اس کے ساتھ کسی مصلحتِ عامہ کی افادی حیثیت بھی اس میں ملحوظ ہو اور وہ روحانی تکمیل کا بھی ذریعہ ہو۔ اسلام کے اخلاقی فلسفے میں یہ سب جہتیں ایک کام میں مجتمع ہو سکتی ہیں''۔ (سیرت النبی ﷺ' ج ۶' ص ۲۶)

مقصد

دوسری بحث ان اصول کے مقاصد کی ہے کہ یہ اصول کیوں بنائے گئے ہیں۔ آپ قدیم فلاسفہ جیسے فیثا غورث' زرتشت' سقراط' مانی' افلاطون' ارسطو یا ہندوستان میں پائے جانے والے مذاہب کے بانیان جیسے گوتم بدھ' مہاویر جین اور گرونانک کے اصولِ اَخلاق پڑھ جایئے۔ دو چیزیں سب میں یکساں ملیں گی۔ پہلی چیز فلسفۂ اخلاق کی محدودیت اور دوسری اَخلاق کے مقاصد۔ تقریباً سبھی نے اچھے اخلاق کی تعلیم دی' لیکن سب کے نزدیک اخلاق ایک انتہائی محدود چیز ہے' جس کا تعلق چند عادات و اطوار سے ہے۔ مثال کے طور پر دوسروں کا کو تکلیف نہ پہنچانا' چوری' ڈاکہ زنی سے بچنا' حرام مال نہ کھانا' غریبوں اور مسکینوں پر ظلم نہ کرنا وغیرہ۔ اسی طرح کی چند چیزیں ہیں جن پر تمام مذاہب یا فلاسفہ توجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح ان سب نے اخلاقیات کے مقصد کو بھی بہت محدود کر دیا ہے۔ سب کا کہنا یہ ہے کہ اچھے اخلاق انسان کی شانتی یا قلبی سکون کے لیے ضروری ہیں' یا یہ کہ اچھے اَخلاق اگلے جنموں میں خیر کا باعث ہوں گے۔

اس کے برعکس قرآن کا فلسفۂ اَخلاق ہے' جس کی نظر میں اخلاقیات کا مقصد رب کی رضا کا حصول ہے۔

یہاں سب کچھ اپنے رب کو خوش کرنے کے لیے کیا جائے گا۔ یہ مقصد نہ رہا تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اسلام کا ماننا ہے کہ قلبی سکون بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے' بل کہ اس کو مقصد بنانا انسان کی توہین ہے۔ انسان عظیم ترین مخلوق ہے۔ اس کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ہر کام بھی عظیم ہو اور اس کام کے مقاصد بھی۔ لہٰذا قرآن کریم نے رضائے الٰہی کو اخلاق کا مقصد قرار دیا ہے۔ انسانی قلب و روح کا تعلق اپنے رب سے ہے۔ رب کو خوش کرنے کے لیے کام کیا جائے گا تو خود بخود قلبی و روحانی سکون حاصل ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۳۸﴾﴾ (الروم)

''پس تم رشتے داروں کا حق ادا کرو اور مسکین و مسافر کا۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا مندی چاہتے ہیں' اور وہی لوگ کام یاب ہونے والے ہیں۔''

ایک جگہ اس بات کی تاکید بایں الفاظ کی گئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ (البقرة: ٢٦٤)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔''

اسی طرح فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))(۱)

''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

امتیازات

قرآن کے فلسفۂ اَخلاق کو دوسرے مذاہب اور فلاسفہ کے اخلاقی نظریات پر کئی حیثیتوں سے فوقیت اور امتیاز حاصل ہے۔ ان میں سے چند ایک نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیے جا رہے ہیں:

(ا) فطری پاکیزگی کا اعلان: قرآن کریم نے انسان پر ایک بہت بڑا احسان یہ کیا ہے کہ اس کے فطری طور پر گناہوں سے پاک ہونے کا اعلان کیا ہے' جب کہ دوسرے مذاہب میں ایسا نہیں۔ تورات کا اندازِ بیان حاخاموں کی سینکڑوں تحریفات کے بعد خالص آمرانہ ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اس کی مصلحت و حکمت کا بیان تو بہت دور کی بات ہے' اندازِ بیان بھی نصیحت آمیز نہیں ہوتا۔ پھر جا بجا بنی اسرائیل پر دوسری قوموں کی طرف سے ہونے والے مظالم اور خود بنی اسرائیل کے گناہوں کا ذکر انسانیت کو اخلاق کا مثبت اور تعمیری حکم دینے کے بجائے صرف اپنے گناہ گار ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اسی طرح انجیل میں انسان کو آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے فطری طور پر گناہ گار بتایا گیا ہے۔ انسان جب تک بالغ ہونے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر گناہوں سے پاکی حاصل نہ کرلے' گناہگار ہی رہتا ہے۔ اگر اس سے پہلے یا بچپن ہی میں موت آ گئی تو اس کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے کچھ نہیں۔ کیونکہ اسے اپنے گناہوں سے پاکی حاصل کرنے کا موقع

(۱) صحيح البخارى' كتاب بدء الوحى' باب بدء الوحى' وصحيح مسلم' كتاب الامارة' باب قوله انما الاعمال بالنية .....

نہیں ملا اور اس کے اعمال کی تختی سیاہ کی سیاہ رہی۔

ہندو مذہب اور اس سے نکلنے والے دوسرے مذاہب نے انسان کو کئی جنموں کے تصور میں قید کر دیا ہے۔ انسان پر آنے والی مصیبتیں پچھلے جنم کے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ یہاں بھی انسان اپنے گناہوں کا بوجھ سر پر لادے ہوئے دنیا میں آتا ہے۔

ان سب کے برخلاف قرآن کریم انسان کو فطری طور پر پاک صاف قرار دیتا ہے' اس کی فطرت کے سلیم اور اعمال کی تختی کے سادہ ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ قرآن کریم کا اصول ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴﴾ (التین)

''ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔''

مزید فرمایا گیا:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ﴾ (الروم: ۳۰)

''تو یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف کر لو' یہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷﴾ (الانفطار)

''جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر برابر کیا۔''

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس مضمون کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ)) (۱)

''ہر بچہ فطرت کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔''

(ب) تعلقات کی تاکید: اخلاقیات کی عمارت باہمی روابط اور انسانی و معاشرتی تعلقات پر قائم ہے۔ تعلقات و روابط نہ ہوں تو اخلاق کی بحث ہی بے معنی ہو جاتی ہے۔ یقیناً انسانی معاشرے سے کٹ کر بھی اخلاق کی ضرورت باقی رہتی ہے' لیکن اس کا اصل محل انسانی معاشرہ ہی ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن انسانی تعلقات پر بے حد زور دیتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے برخلاف وہ رہبانیت کو قطعاً روا نہیں رکھتا۔ مراتب کے لحاظ سے رشتے داروں' پڑوسیوں' دوستوں' ہم وطنوں' عام انسانوں' نباتات' حیوانات اور جمادات کے حقوق بیان کرتا ہے اور ان حقوق کی ادائی کی پُرزور تاکید بھی کرتا ہے۔ یہ قرآنی تعلیمات کا ایک انتہائی وسیع موضوع ہے۔ یہ بحث جس جامعیت کے ساتھ قرآن کریم بیان کرتا ہے' کوئی دوسری کتاب اس کی برابری تو کجا' اس کے آدھے یا ایک تہائی موضوعات کے احاطے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتی۔ جبکہ اس موضوع پر گفتگو کے بغیر اخلاق کی بحث ہی نامکمل رہتی ہے۔ اس طرح اخلاقیات کے مکمل اصول اور وسیع ترین تعلیم کے دعوے کا حق صرف قرآن کو حاصل ہے' کسی اور کو نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب لا تبدیل لخلق اللّٰہ' **ومتعدد مقامات**۔ وصحیح مسلم' کتاب القدر' باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة .....

(ج) امر و نہی کا ابدی نظام: اخلاق کا محرک انسانی ضمیر ہوتا ہے۔ اس فطری جذبے کو مذہبی تعلیمات تقویت پہنچاتی ہیں۔ لیکن انسان تو آخر انسان ہی ہے' بدخلقی کا ارتکاب کر ہی بیٹھتا ہے' معاشرے کے تئیں اپنی ذمے داریوں سے غافل ہو ہی جاتا ہے۔ قرآن کا فلسفۂ اَخلاق اس معاملے میں بھی سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ وہ انسان کے اس مزاج کا بھی علاج مہیا کرتا ہے۔ علاج بھی کیسا؟ وقتی یا عارضی نہیں' ابدی و دائمی۔ اس کا کہنا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾(آل عمران:۱۰٤)

''اور تم میں سے ایک گروہ تو ایسا ضرور ہونا چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔''

امر و نہی کا یہ نظام اخلاق کے بقاء و تحفظ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسانی معاشرے کو اخلاقیات کی راہ پر لگائے رکھنا بہت مشکل ہے۔ قرآن کریم نے نہ صرف یہ کہ اس پہلو پر توجہ دی بل کہ اس امر و نہی کے بھی مکمل اصول و ضوابط بیان کیے۔ یہ پہلو بھی قرآن کے فلسفۂ اَخلاق کا ایسا رخ ہے' جو اسے سب سے ممتاز اور افضل قرار دیتا ہے۔

(د) وسعت و ہمہ گیری: قرآن کے فلسفۂ اخلاق کی وسعت و ہمہ گیری بھی اس کا ایک انتہائی اہم وصف ہے۔ قرآن نے اخلاق کو میل جول اور معاشرت کی چند عادات میں محدود نہیں کیا بل کہ اس کو نہایت وسیع مفہوم عطا کیا ہے۔ امام رازیؒ اخلاق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسنِ اخلاق میں حرص و طمع' بخل' غصے' معاملات میں سختی سے بچنا' اپنے قول و فعل کے ذریعے لوگوں میں محبوب ہونا' عہد و پیمان' جیسے خرید و فروخت وغیرہ میں عہد شکنی' گفتگوئے عہد کو بے نتیجہ چھوڑنے اور سستی سے احتراز' نسبی' سسرالی یا ان سے متعلق دوسرے حقوق کو کھلے دل کے ساتھ ادا کرنا سب کچھ شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی تفسیر میں) مروی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم دین کے حامل ہیں۔''

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جامع ترین قول ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن'' بھی ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المومنینؓ بھی قرآن کریم کے تمام احکامات کو اَخلاق میں شامل کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اور امام رازی کی وضاحتوں اور حضرت ابن عباسؓ کے قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے اخلاقیات کے دائرے کو بے پناہ وسعت دی ہے۔ ایسی وسعت جو اس کے علاوہ کہیں اور نہیں پائی جاتی۔ اگر اس وسعت کا صحیح اور غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنا ہو تو اس کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور دوسرے تمام مذاہب اور فلاسفہ کے بیان کردہ اخلاق کی فہرست تیار کر لی جائے۔ پھر قرآنی اخلاقیات کو ایک طرف رکھا جائے اور دوسرے تمام مذاہب و فلاسفہ کے بیان کردہ اخلاق کو دوسری طرف۔ پھر ان دونوں کا اوسط نکالا جائے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اوسط دس اور نوے کا نکلے گا۔ یعنی مجموعی اخلاقیات میں سے اسلام کے خانے میں نوے ہوں گے اور باقی سب کے مشترکہ خانے میں دس۔ ان دس میں سے بھی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو' جس کا تذکرہ قرآنی اخلاقیات میں موجود نہ ہو۔

قرآنی فلسفۂ اَخلاق کی تفہیم

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات کافی حد تک واضح ہوگئی کہ قرآن کا فلسفۂ اَخلاق انسانیت کا جامع ترین فلسفۂ اخلاق ہے۔ اپنی اصل' ماخذ' مقاصد' امتیازات اور وسعت و ہمہ گیری کی وجہ سے دوسرے تمام اخلاقی فلسفوں سے زیادہ بہتر' جامع اور مفید ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ موجودہ دور میں اس کی تفہیم و اشاعت کا انتظام کیا جائے' تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقانیت بھی آسکے اور انسانیت کو اخلاقیات کا جامع ترین نصاب بھی فراہم کیا جاسکے۔ اخلاق کے ناکارہ اور فرسودہ فلسفوں اور کھوکھلے نظام کی بنیاد پر دنیا میں جو بداخلاقی رائج ہوچکی ہے اور اس بداخلاقی و بے ہودگی کو اخلاق سمجھ لیا گیا ہے' اُس سے انسان کو بچایا جاسکے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ موجودہ انسان کے مزاج اور زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآنی فلسفۂ اخلاق کی اشاعت اور تعارف کا اہتمام کیا جائے۔ مسلم مفکّرین' مصنّفین' علماء' دانش وران' جماعتوں' تنظیموں اور اداروں پر فرض ہے کہ وہ عارضی مسائل اور بے جا فروعی بحثوں سے بچتے ہوئے اس اہم پہلو کی طرف متوجہ ہوں۔ اس سلسلے میں چند عملی اقدامات کرنا بے حد ضروری ہے:

(۱) قرآن کے فلسفۂ اخلاق پر جامع تحقیقات پیش کی جائیں۔
(۲) خالص علمی بنیادوں پر قرآنی فلسفۂ اخلاق کا دوسرے فلسفوں سے موازنہ کیا جائے۔
(۳) دوسرے اخلاقی فلسفوں اور موجودہ اخلاقی نظام کے کھوکھلے پن کو واضح کیا جائے۔
(۴) قرآنی اصولِ اخلاق پر قائم ہونے والے معاشرے کی ہمہ گیر افادیت پر تحقیقات پیش کی جائیں۔
(۵) ان علمی تحقیقات کے بڑی زبانوں میں ترجمے اور اشاعت کا اعلیٰ انتظام کیا جائے۔
(۶) مذکورہ موضوعات پر سیمیناروں' مکالموں اور مذاکروں کا انعقاد کیا جائے۔
(۷) مسلم مدارس و جامعات میں قرآن کے فلسفۂ اخلاق کی موازناتی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔
(۸) ابتدائی اسکولوں میں قرآنی اخلاقیات داخل کرکے نئی نسل کے ذہن میں اس کی خوبیاں بٹھائی جائیں۔

ان اقدامات کے بغیر موجودہ دور میں قرآنی فلسفۂ اخلاق کی تفہیم کا اہم مرحلہ طے نہیں کیا جاسکتا۔ اس مرحلے کو طے کرنا پوری اُمت پر ضروری ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص مسلک' جماعت' تنظیم یا ادارے سے نہیں ہے' یہ اسلام اور مسلمانوں کی ضرورت ہے' جس کی تکمیل کی ذمہ داری پوری اُمت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر پوری اُمت مشترکہ طور پر اس ضرورت کی تکمیل کے لیے سنجیدہ ہوجائے تو یقیناً بہت جلد اور انتہائی مناسب انداز سے اس علمی و دعوتی خلا کو پُر کیا جاسکتا ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔